OPEN ACCESS: Al Khadim Research Journal of Islamic Culture and Civilization
ISSN (ONLINE): 2710-0235 & ISSN (PRINT): 2710-0227
https://www.arjicc.com
DOI: https://doi.org/10.53575/arjicc.v3.02(22)u10.139-147

جنگ ستمبر 1965ءاور پاکستانی اردو افسانہ

War September 1965 and Pakistani Urdu Afsana

Dr. Khalid Mahmood
Assistant Professor Department of Urdu Government Ambala Muslim Graduate College Sargodha.

Dr. Tayyaba Nighat
Assistant Professor Department of Urdu Government College Women University Faisalabad.

Dr. Uzma Bahsir
Visiting Lecturer Department of Urdu Government College Women University Faisalabad.

Received on: 01-05-2022 Accepted on: 04-06-2022

Abstract

Wars have never been considered positive for humanity. The consequences of wars are always lethal for man. Pakistan and India two neighbouring countries have some territorial, ideological and political disputes ever since partition of sub-continent. These disputes erupted numbers collusions between both countries. War of September 1965 has been one of the outcomes of hostile nature of India. War of September 1965 had effected the creators of every genre of literature. Pakistan Urdu Afsana was of no exception. This research article is an effort to highlight the effects of September 1965 war on Pakistani Urdu Afsana.

Keywords: Territorial, Ideological, Partition, Disputes, Erupted, Hostile nature

جنگ وجدل کسی بھی تہذیب اور معاشرے میں درست خیال نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ اس کے انسانیت پر دوررس منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جنگ ستمبر 1965ء کے بھی پاکستان پر گہرے سیاسی، سماجی، معاشی، فکری اور نفسیاتی اثرات مرتب ہوئے۔ ان اثرات کو پاکستانی اردو افسانے نے بھی قبول کیا اور سانحہ جنگ ستمبر 1965 کے تناظر میں مختلف زاویوں سے افسانے تحریر کیے گئے۔

رن آف کچھ پاکستان اور بھارت کے درمیان ہمیشہ باعثِ نزاع رہا، رن کچھ بھارت اور پاکستان میں سندھ کے بارڈر پر متنازعہ سرحدی علاقہ تھا۔ تنازعہ رن کچھ کے علاوہ دونوں ہمسایہ ممالک میں مسئلہ کشمیر بھی 1947ء سے چلا آرہا ہے۔ اس بنا پر دونوں ہمسایہ ممالک کے تعلقات کبھی خوشگوار نہیں رہے۔ کشمیر میں پاکستانی دراندازی کے بارے میں متضاد بیانات ملتے ہیں۔ پاکستانی دانشور پاکستانی موقف کی حمایت کرتے ہیں جب کہ دوسری طرف بھارتی دانشور بھارتی موقف کی حمایت کرتے ہیں اس لیے واضح طور پر کوئی صورت حال سامنے نہیں آتی۔ جموں،

چھمب، اکھنور کے علاقوں میں جھڑپوں اور مجاہدین کی پیش قدمی کی وجہ سے بڑھتے ہوئے دباؤ کا جواب دینے کے لیے بھارتی فوج نے اس آپریشن کو Grand Slam کا نام دیا۔ پاکستانی فوج کے لیے یہ حملہ اچانک تھا۔ ایوب خان کو نیند سے جگا کر جنگ شروع ہونے کی اطلاع دی گئی۔ اکثر پاکستانی فوجی پاجاموں میں محاذ پر پہنچے۔ یہ جنگ سترہ دن تک جاری رہی اور آخر اقوام متحدہ اور دیگر بیرونی ممالک کی مداخلت سے جنگ بندی کرادی گئی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے اس نعرے کہ ہم ہزار سال تک جنگ لڑ سکتے ہیں میں بظاہر کافی کشش تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ پاکستان کے پاس اسلحہ بہت تیزی سے کم ہو رہا تھا اور امریکہ نے بھی اسلحہ کی فراہمی منقطع کر دی تھی۔

جنگ ایک مہک اور تکلیف دہ عمل ہے اس کی کسی بھی صورت پذیرائی ممکن نہیں لیکن جنگ ستمبر 1965ء میں جہاں پاکستان کا جانی مالی نقصان ہوا وہاں اسے بحیثیت قوم ایک شناخت ضرور مل گئی۔ اپنے سے پانچ گنا بڑے دشمن کا جب ڈٹ کر مقابلہ کیا گیا تو دشمن پر بھی یہ امر واضح ہو گیا کہ پاکستانی ایک زندہ قوم ہیں۔ ان سترہ دنوں میں عوام میں جذبہ دیدنی تھا وہ کسی خوف کا شکار نہیں ہوئے بلکہ ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کیا زخمیوں کے لیے خون کا عطیہ دینے والوں کی قطاریں لگ جاتیں۔ عورتوں نے اپنے زیورات فوجی امداد کے لیے عطیہ کیے حکومت نے جب دفاعی بونڈ جاری کیا تو دو تین دن میں کروڑوں کے بونڈ بک گئے۔ چوری، ڈاکے، اغوا اور قتل کی وارداتیں بند ہو گئیں۔ اشیائے ضروریہ کی قیمت مستحکم ہو گئی۔ کسی طرح کی غذائی قلت پیدا نہ ہوئی۔ پاکستانی روپے کی قدر ہندوستانی کرنسی سے بڑھ گئی۔ پاکستانی خواتین نے آرائش و زیبائش کی چیزیں خریدنا ترک کر دیں، قومی اتحاد، عزم و ہمت کو فروغ دینے کے لیے ملی ترانے لکھے اور گانے گائے گئے۔ پاکستانی عوام نے ان ترانوں کی خوب پذیرائی کی۔

جنگ ستمبر 1965 کے قومی سیاسی سانحہ کے تناظر میں غلام الثقلین نقوی، احمد شریف، صادق حسین، فرخندہ لودھی، مسعود مفتی، انتظار حسین، احمد ندیم قاسمی، رضیہ فصیح احمد، اختر جمال، خدیجہ مستور اور عفرا بخاری کے تحریر کردہ افسانے نمایاں ہیں۔ جنگ ستمبر 1965ء کے حوالے سے غلام الثقلین نقوی کے افسانے ''کافوری شمع''، ''ڈیک کے کنارے''، ''نغمہ و آگ''، ''سبز پوش''، ''جلی مٹی کی خوشبو''، اور ''ایک سپاہی کی ڈائری'' قابل ذکر ہیں۔ افسانہ ''کافوری شمع''، چیونڈہ کے محاذ پر ٹینکوں کی معروف لڑائی سے متعلق ہے۔ چیونڈہ کے مقام پر ٹینکوں کی اس لڑائی میں جوان جسموں سے بم باندھ کر ٹینکوں سے ٹکراتے تھے۔ افسانے کا مرکزی کردار حوالدار شیر بہادر ہے۔ جو صغریٰ سے محبت کرتا ہے اور دونوں نے اپنے مستقبل کے بارے میں سہانے سپنے سجائے ہوئے ہیں۔ اسی دوران جنگ ستمبر 1965ء کا آغاز ہو جاتا ہے۔ جب پاکستانی فوج کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ بھارت ٹینکوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ چیونڈہ کے مقام پر حملہ آور ہونے کے لیے آرہا ہے تو فوجی حکمت عملی بھی یہ بنائی جاتی ہے کہ بھارت کے ان ناپاک عزائم کو خاک میں ملانا ہے۔ ایسے جوان تیار کیے جاتے ہیں جو جذبہ شہادت اور حب الوطنی سے سرشار ہوں اور اپنے جسموں پر بم باندھ کر ٹینکوں کو بھسم کر دیں۔ اس موقع پر حوالدار شیر بہادر بھی ایسی شہادت دینے کے لیے فوراً حامی بھر لیتا ہے۔ حوالدار شیر بہادر کی شہادت کے ساتھ ہی اس کی اپنی محبوبہ صغریٰ کے ساتھ کیے گئے وعدے تو ایفا نہ ہو سکے لیکن اس کا وطن کی خاطر جان دینے کا عہد ضرور ایفا ہوا۔ ایک انسانی المیے کے تحت دونوں محبت کرنے والوں کے خواب تو ٹوٹ

گئے لیکن صغریٰ اس بات پر مطمئن ہے کہ اس کے محبوب نے شہادت حاصل کر کے اس کا سر فخر سے بلند کر دیا۔

افسانہ ''ڈیک کے کنارے'' میں سانحہ جنگ ستمبر 1965ء کا انسانی المیہ دکھائی دیتا ہے۔ پاکستان کے ایک سرحدی گاؤں کے باشندے جنگی حالات کی وجہ سے نقل مکانی کر رہے ہیں۔ جب قافلہ گاؤں سے روانہ ہوتا ہے تو محمد علی کو اٹھارہ برس پہلے کی ہجرت یاد آتی ہے۔ جب وہ لوگ بے سروسامان ہو کر ہجرت پر مجبور ہوئے۔ اس ہجرت کے دوران اس کے باپ کا انتقال بھی ہو گیا تھا۔ محمد علی کے دل میں ابھی وہ کرب اور کسک باقی تھی کہ اب وہ اپنے ہی ملک میں ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ اس افسانے میں غلام الثقلین نقوی نے دونوں ہجرتوں میں تعلق قائم کیا ہے۔ دونوں ہی ہجرتیں ضروری تھیں کیونکہ دونوں میں ہی لوگوں کی بہتری مضمر تھی۔ 1947ء کی ہجرت میں حالات مشکل تھے بے سروسامانی کا عالم تھا اور امن عامہ کی صورت حال بہت تشویشناک تھی۔ مگر 1965ء کی ہجرت میں لوگوں کو تسلی تھی کہ انہیں تحفظ حاصل ہے اور جو کچھ بھی کیا جا رہا ہے ان کی حفاظت کے لیے کیا جا رہا ہے۔

افسانہ ''نغمہ اور آگ'' میں سپاہی نور زماں کا کردار مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ جنگ ستمبر کے دوران وہ اگلے مورچوں پر ایک اہم پیغام پہنچانے جاتا ہے۔ واپسی پر وہ دیکھتا ہے کہ ایک مورچے پر فوجی جوان شہید ہو گیا ہے، مورچہ خالی ہے وہ فوراً مورچہ سنبھال لیتا ہے اور شہادت تک بہت دلیری سے لڑتا رہتا ہے۔ نور زماں کی موت جنگ کا ایک المیہ تو ہے لیکن نور زماں شہادت کو اپنا نصب العین سمجھتا ہے۔

جنگ ستمبر 1965 میں خدائی مدد اور غیر مرئی قوتوں کے تعاون کے بارے میں اکثر بات کی گئی ہے۔ لوگوں کا خیال اور اعتقاد تھا کہ سبز پوش افراد نے پاکستانیوں کی مدد کی۔ افسانہ ''سبز پوش'' میں اسی طرح کے خیال کو پیش کیا گیا ہے۔ لیکن وہ اسے ہم زاد قرار دیتے ہیں جو خود انسان کی اپنی ذات کے اندر موجود ہے:

سبز پوش اس کے سامنے کھڑا تھا جو لوگ زندگی سے بھاگتے ہیں ان کے دل ٹوٹ جاتے ہیں اس نے کہا اس نے سبز پوش کے چہرے پر ایک نظر ڈالی اور شرما کر رہ گیا اس نے آئینے میں اپنی صورت دیکھ لی تھی۔ وہ خود سبز پوش تھا اور اس کی پیشانی سے نور پھوٹ رہا تھا اور پھر سے زندگی کی شاہراہ پر بے خوف کھڑا تھا۔''(1)

دراصل جذبہ جہاد سے متاثر ہو کر لوگوں کے دل میں اس قدر روحانیت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ خود سبز پوش بن گئے تھے انسان کے جذبے کی شدت نے اس سے سبز پوش برآمد کر دیا تھا۔

افسانہ ''جلی مٹی کی خوشبو'' بھی جنگ ستمبر 1965ء کے حوالے سے ہے۔ اس افسانے میں جنگ کے ضرر رساں اثرات بیان کیے گئے ہیں۔ جنگ میں مسلسل بارود برسائے جانے کی وجہ سے مٹی جل گئی اس کے ساتھ ساتھ اس کے انسانوں اور دیگر جانداروں کی زندگی پر بہت مضر اثرات مرتب ہوئے۔ لیکن افسانہ نگار پر امید ہے کہ پاکستانی ایک زندہ قوم ہیں اس لیے وہ اپنی محنت کی بدولت اس بارود سے جلی ہوئی مٹی کو دوبارہ ہریالی کے قابل بنا دیں گے۔ اس افسانہ میں جنگوں کے دوران استعمال کیے جانے والے جدید اور تباہ کن اسلحے کی مذمت کا عنصر بھی بین السطور ملتا ہے۔ انسانی تباہی کا باعث بننے والے یہ ہتھیار ساری زمینی مخلوقات کے لیے تباہی کا سبب ہیں۔

افسانہ ''ایک سپاہی کی ڈائری'' کا مرکزی کردار سپاہی اختر علی پاکستان کے ایک سرحدی گاؤں سے تعلق رکھتا ہے۔اس کی منگنی اپنے ہی گاؤں کی ایک لڑکی حمیداں سے ہو جاتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے ہیں اسی دوران جنگ ستمبر کا آغاز ہو جاتا ہے اختر علی تمام کاموں پر اپنے فرض کو اولیت دیتا ہے۔ وہ پہلے روزانہ اپنی منگیتر کو یاد کرتا تھا۔ لیکن اب وہ وطن کی حفاظت اپنی جان پر کھیل کر رہا تھا۔ جنگ کے دوران ہی اختر علی کے گاؤں پر بھارت قبضہ کر لیتا ہے۔ قبضے کے دوران دشمن فوج گاؤں کی کافی خوبرو لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ وہاں ان لڑکیوں کی عصمت دری کی جاتی ہے۔ بعد میں پاکستانی فوج ان مغویہ لڑکیوں کو آزاد کرا لیتی ہے۔ حمیداں کی بازیابی کے بعد اپنی محبت کی وجہ سے اختر علی اسے اپنا تو لیتا ہے لیکن اس کا دل حمیداں کے لیے میلا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ دشمن کے پاس ایک مغویہ لڑکی رہ چکی ہے۔ افسانہ نگار نے جنگ کے سماجی اثر کو بیان کیا ہے، جنگ کا المیہ یہ ہے کہ مغویہ لڑکیوں کو سماج دوبارہ سے اس طرح قبول نہیں کرتا۔ جس طرح کا احترام انہیں پہلے حاصل تھا وہ اب ویسے احترام سے محروم ہو چکی ہیں۔اس افسانے میں دوران جنگ مغویہ لڑکیوں کا المیہ بیان کیا گیا ہے۔

احمد شریف کا افسانہ ''رنگوں کا ڈبہ'' جنگ ستمبر 1965ء کے عصری سانحہ کے حوالے سے ہے۔ کہانی کی بنت کے اعتبار سے یہ ایک شاندار افسانہ ہے۔ جس میں جنگ ستمبر کے واقعات کو زبردستی ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ بلکہ جنگ کے حالات کا ذکر ایک فطری انداز میں ملتا ہے۔ فوج میں بھرتی ہونے سے قبل یار واور ہاشم ایک لڑکی بولاں کی محبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہاشم کو جب بولاں کے لیے یارو کی پسندیدگی کا پتہ چلتا ہے تو وہ اس بات کا بہت برا مناتا ہے اور یارو کی دکان پر حملہ کر دیتا ہے اور پٹ کر واپس آتا ہے۔ وقت گزر جاتا ہے۔ ہاشم اور یار و دونوں فوج میں بھرتی ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان کی باہمی مخالفت و مخاصمت موجود رہتی ہے۔ جنگ ستمبر میں دونوں ایک ہی محاذ پر ہوتے ہیں اور دشمن کے خلاف لڑتے ہیں یہاں افسانہ نگار بین السطور بیان کرتا ہے کہ جنگ کے وقت لوگوں نے اپنے ذاتی جھگڑے اور عناد ختم کر دیئے تھے اور سب لوگ دشمن کو ہرانے پر یکسوئی اختیار کر چکے تھے۔ جنگ 1965 کے دوران بہت سے محبت کرنے والے دل وطن کی محبت پر قربان ہو گئے۔ یارو کے لیے وطن کی محبت بولاں کے لیے محبت پر سبقت لے گئی۔

صادق حسین کا افسانہ ''انسان'' بھی جنگ ستمبر 1965ء کے متعلق ہے لیکن اس میں افسانہ نگار نے کہانی کو ایک منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔ افسانے میں کسی جنگ کے حالات کی منظر کشی نہیں کی گئی اور نہ ہی بہادری کا کوئی قصہ بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ معاشرے کے ایک دھتکارے ہوئے ایک انتہائی غریب شخص منگو کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں۔ جو سمجھتا ہے کہ اس کی زندگی کی قیمت توپ کے ایک گولے کی نسبت کہیں زیادہ کم ہے۔ اس پر گولہ پھینک کر ہندوستانی اپنا نقصان کیوں کریں گے۔ سوتیلی ماں اور سگا باپ اسے جانور، پشو، ڈنگر کے ناموں سے بلا کر اسے پر پھٹکار بھیجتے رہتے ہیں۔ ریوڑ چرانے جاتا ہے تو چرواہا اسے مینڈھا کے نام سے پکار کر اس کی تضحیک کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو معاشرے کا نیچ ترین فرد سمجھتا ہے۔ ایک دن اس کی زندگی کا بہترین دن ہوتا ہے جب وہ وقت ریٹائرڈ بریگیڈیئر کی گفتگو سننے میں گزارتا ہے۔ اس کا وقت بہت جلدی گزر جاتا ہے۔ بریگیڈیئر جب منگو کو توپ کے ایک گولے کی قیمت بتاتا ہے تو منگو حیران رہ جاتا ہے:

جب اس نے توپ کے گولے کی قیمت بتائی تو جوتیوں میں بیٹھا منگو ششدر رہ گیا۔ اس نے سوچا کہ وہ رقم جو توپ کے ایک گولے پر صرف

ہوتی ہے اگر اسے مل جاتی تو وہ ایک کو لہو خرید لیتا۔ جیواں کی قبر پکی بنوا دیتا۔ اس رقم سے املوک چڑوے بھنے ہوئے چنے خریدے جا سکتے تھے۔(2)

صادق حسین کا یہ افسانہ ملکی اور بین الاقوامی قوتوں پر ایک طنز ہے بالخصوص دنیا کے بڑے ممالک اپنا اسلحہ بیچنے کے لیے ہر طرف جنگ ہوتی دیکھنا چاہتے ہیں۔ پاکستان جیسے تیسری دنیا کے غریب اور کمزور ملک کی توانائیاں اور وسائل جنگ پر ضائع کروائے جاتے ہیں ان جنگوں سے غریب اور نظر انداز طبقے کو بہت نقصان ہوتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر ممالک کے وہ وسائل اسلحہ اور بارود خریدنے کے بجائے انسانیت کی فلاح و بہبود پر خرچ کیے جاتے۔

جنگ ستمبر کے عصری سیاسی سانحہ کے تناظر میں فرخندہ لودھی کا افسانہ ''پاربتی'' خاص اہمیت کا حامل ہے۔ پاربتی جو ایک بھارتی جاسوس ہے پاکستان میں پروین بن کر آتی ہے اور لیفٹننٹ حسن سے شادی بھی کر لیتی ہے۔ ہندوستان میں وہ ایک بانجھ عورت تھی لیکن پاکستان میں اس کی کوکھ ہری ہونے لگتی ہے وہ حسن کے بچے کی ماں بننے والی ہوتی ہے کہ پاکستان میں اس کی اصلیت کھل جاتی ہے۔ حسن اسے بارڈر تک چھوڑنے جاتا ہے۔ جب وہ ہندوستان پہنچ جاتی ہے تو وہ اپنے شوہر مہتہ کو اپنے حاملہ ہونے کے بارے میں بتاتی ہے تو یہ بات سن کر وہ آگ بگولا ہو جاتا ہے اور اسقاط حمل کے بارے میں کہتا ہے۔ پاربتی اس کی بات سے اتفاق نہیں کرتی اور بچے کو جنم دینے پر ضد کرتی ہے۔ بالآخر وہ بچے کو جنم دیتی ہے مہتہ اسے مارنے کے لیے اس پر تشدد کرتا ہے وہ اس سے وعدہ کرتی ہے کہ وہ کہیں دور چلی جائے گی دوسرے روز وہ پاکستان میں داخل ہونے کے لیے آتی ہے لیکن اسے بارڈر پر ہی مار دیا جاتا ہے:

اور اگلی شام کے سائے پھیلنے سے پہلے وہ دھرتی پر قدم رکھتی ہے دوسرے ملک کی سرحد پار کر رہی ہوتی ہے۔ جہاں پہرے دار نے پہلی گولی چلائی تو پاربتی نے بانہوں کی گرفت کو چھاتی کے ساتھ اور بھینچ لیا اور سر کی اوٹ کر لی لیکن وہ اکیلی تھی اور بے شمار گولیاں سرحد کی خاک اور پاربتی کا خون سرخ گرم، جوان اور تازہ۔(3)

جنگ ستمبر 1965 کے حوالے سے مسعود مفتی کے افسانے ''موتیے کے پھول''، ''رضائی''، ''دو خون'' اور ''نیا آدمی'' قابل توجہ ہیں۔ افسانہ ''موتیے کے پھول'' میں جنگ ستمبر کے واقعات بیان کیے ہیں۔ اس جنگ کے نتیجے میں ایک انسانی المیے نے جنم لیا۔ اس افسانے میں ایک لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں لیکن لڑکی کی منگنی کہیں اور ہو جاتی ہے۔ لڑکی جس لڑکے سے محبت کرتی ہے اور اس لڑکی کا منگیتر بھی، دونوں لڑکے فوج میں ملازمت کرتے ہیں۔ جنگ ستمبر میں سیالکوٹ کے محاذ پر دونوں شہید ہو جاتے ہیں۔ اس لڑکی کے لیے ان دونوں نوجوانوں کی موت ایک شدید رنج کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ لڑکی موتیے کے پودے کو پھر بھی باقاعدگی سے پانی دیتی ہے۔ موتیے کا پودا افسانے میں پر امیدیت کی علامت ہے۔ مسعود مفتی نے اس افسانے میں جنگ کی المناکی کو بیان کیا ہے کہ کس طرح لوگوں کے پیارے ان کی محبتیں اس جنگ میں جان سے چلی گئیں۔ جنگ انسانیت کے لیے کرب چھوڑ جاتی ہے۔

افسانہ ''رضائی'' کا مرکزی کردار ایک بوڑھی عورت ہے۔ جس کے اہل خانہ جنگ میں اس سے بچھڑ جاتے ہیں اور اس کی بیٹی کی عزت لوٹ لی

جاتی ہے۔ نازو کی ماں جب ریلیف کیمپ پہنچی تو وہاں لوگوں کی ضرورت کا سامان پہنچایا گیا۔ اس کیمپ میں ایک رضائی ایسی تھی جس کے اوپر خون کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ یہ رضائی اس وقت نازو کے اوپر ڈال دی جاتی ہے۔ کیمپ میں یہ رضائی دردزہ میں مبتلا عورتوں کے لیے استعمال ہوتی ہے تاکہ رضائی کی حدت کی وجہ سے انہیں کچھ سکون میسر آسکے۔ اس افسانے میں جنگ کی ہولناکیاں بیان کی گئی ہیں کہ اس کے کس قدر تکلیف دہ اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جنگ میں سرحدی علاقوں کے لوگوں کے گھر بار چھوٹ جاتے ہیں اور انہیں کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

افسانہ ''دو خون'' میں جنگ کے دوران فوج میں بھرتی ہو کر محاذ پر لڑنے کے لیے رضاکاروں کے نام لکھے جاتے ہیں دینو جو گاؤں میں اپنا زمیندارہ کرتا ہے جذبہ حب الوطنی میں سرشار ہو کر رضاکاروں کی فہرست میں اپنے نام کا اندراج کروا دیتا ہے۔ کچھ روز بعد اسے محاذ جنگ پر بلا لیا جاتا ہے۔ ایک طرف تو افسانہ نگار نے دینو جیسے لوگوں کے جذبہ حب الوطنی کی تحسین کی ہے تو دوسری طرف اس وقت کی حکومت پر طنز بھی کیا ہے کہ جنگیں حکومتوں کی غلط حکمت عملیوں اور ناقص منصوبہ بندیوں کی وجہ سے لگتی ہیں اور ان کے نتائج کا خمیازہ غریب عوام کو بھگتنا پڑتا ہے۔

افسانہ ''نیا آدمی'' میں جنگ ستمبر کے زیر اثر پروان چڑھنے والے جذبہ حب الوطنی کو اجاگر کیا گیا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار شہابو ایک جرائم پیشہ آدمی ہے۔ وہ چوریاں کرتا ہے، ڈاکے ڈالتا ہے لیکن جوں ہی جنگ ستمبر شروع ہوتی ہے وہ اپنے جرائم کو متروک کر دیتا ہے اور سوچتا ہے کہ یہ وقت جرائم کا نہیں ایک دن وہ ریڈیو پر خبریں سنتا ہے جن میں بتایا جاتا ہے کہ بھارت پاکستانی علاقوں میں چھاتا بردار دستے جہازوں کے ذریعے اتارنے کا پروگرام بنا رہا ہے عوام کو خبردار کیا جاتا ہے کہ اگر وہ کوئی ایسی سرگرمی دیکھیں تو فوراً حکومت کو اطلاع دیں۔ شہابو جب یہ خبر سن رہا ہوتا ہے تو اس میں وطن کی محبت کا طاقت ور جذبہ پیدا ہوتا ہے اس کے تن بدن میں جوش اور حرارت دوڑ جاتی ہے۔ اس میں ایک نیا آدمی جنم لیتا ہے جو جرائم کو خیرباد کہہ کر ایک مثبت سوچ کا حامل شخص بن چکا ہے۔

جنگ ستمبر کے عصری سانحہ کے تناظر میں انتظار حسین کا افسانہ ''سیکنڈ راؤنڈ'' عوامی سطح پر ناپختہ جذباتی اور تصوراتی نظریوں سے معاملہ کرتا ہے۔ جنگ اختتام پذیر ہو چکی ہے لیکن لوگ اپنی کج فہمی کی بنا پر سوچ رہے کہ اگر جنگ کو کچھ دن مزید جاری رہتی تو یقیناً پاکستان جیت جاتا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ابھی جنگ کا سکینڈ راؤنڈ ہونا ہے اور جس میں جنگ کا فیصلہ ہو جائے گا۔ عوام الناس جنگ کے سکینڈ راؤنڈ کے بارے کچھ اس طرح کی رائے رکھتے ہیں:

بھارت کہتا ہے کہ کشمیر ہمارا اٹوٹ انگ ہے میں کہوں ہوں کہ دلی ہمارا اٹوٹ انگ ہے پوچھو کیسے ایسے کہ .....اب گنتے جاؤ۔ اس نے انگلیوں پر گننا شروع کر دیا۔ لال قلعہ ایک قطب صاحب کی لاٹھ دو جامع مسجد تین، اولیا کا مزار چار، اب میں پوچھوں کہ کشمیر میں ان بھڑوؤں کا کوئی قلعہ مندر کوئی پاٹھ شالہ ہے۔(4)

عوام الناس اپنی کم علمی کی وجہ سے سوچ رہے ہیں کہ کوئی معجزہ ہو گا سبز پوش آئے گا اور ہم جنگ کا سکینڈ راؤنڈ جیت جائیں گے۔

احمد ندیم قاسمی کے افسانہ ''کپاس کا پھول'' میں جنگ ستمبر کا انسانی المیہ بیان کیا گیا ہے۔افسانے کا ایک کردار مائی تاجو اور ایک جوان لڑکی راحتاں کے باہمی احترام و محبت کو بیان کیا گیا ہے۔ جس میں جنگ کی تباہ کاریاں در آتی ہے اور سب کچھ ہی بکھر جاتا ہے۔افسانے میں ایک کردار مولوی وارث مائی تاجو کو گاؤں چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے کہ جب وہ گاؤں سے نکلنے لگتی ہے تو راستے میں بمباری شروع ہو جاتی ہے۔دفعتہً اسے خیال آتا ہے کہ وہ اپنا کفن تو بکسے میں ہی چھوڑے جا رہی ہے۔ وہ کفن اٹھانے کے لیے واپس لوٹتی ہے۔ تو راحتاں اسے برہنہ حالت میں ملتی ہے۔ تاجو راحتاں کے ننگے بدن کو اس کفن سے ڈھک دیتی ہے۔اس افسانے میں جنگ کے مناظر کی تصویر کشی اور رقت انگیزی کے بجائے کرداروں کی استقامت کو پیش نظر رکھا گیا ہے جنگ کی تباہ کاریوں سے متاثرہ افراد کے رویوں اور رد عمل کو ایک تناسب سے پیش کیا گیا ہے۔اس افسانے میں جنگ کے انسانی المیے کو بیان کیا گیا ہے جب دشمن کی بمباری سے راحتاں دم توڑ جاتی ہے۔اس طرح دوستی اور محبت کے تمام رشتے رزق خاک ہو جاتے ہیں۔

رضیہ فصیح احمد کے افسانہ ''خندق کا پودا'' میں عمومی سطح پر جنگ سے بیزاری اور نفرت کا اظہار کیا گیا ہے۔افسانے کی ہیروئن شاہینہ کی شادی ایک فوجی افسر فاروق سے 6 ستمبر 1965ء کو ہونے والی تھی، وہ اس وجہ سے جنگ سے متنفر ہو جاتی ہے۔ جب فاروق اس سے ملنے آتا ہے تو وہ اس بات پر زور دیتی ہے کہ جنگ کبھی نہیں لڑنی چاہیے اور فاروق جنگ نہ لڑے، فاروق شاہینہ کی اس بات پر ہنستا ہے اور پھر اسے ایک بھارتی فوجی افسر وجے کی منگیتر کا خط دکھاتا ہے۔ وہ بھی اس خط میں جنگ سے شدید نفرت کا اظہار کر رہی ہے اور دونوں ممالک کے درمیان جنگ نہ لڑنے پر زور دیتی ہے۔اس افسانے میں افسانہ نگار جنگ کے ضرر رساں اثرات کو بھانپتے ہوئے جنگ سے دور رہنے پر زور دیتی ہیں اور اس بات کا پرچار کرتی ہے کہ ممالک کو اپنے مسائل افہام و تفہیم سے حل کرنے چاہییں۔

اختر جمال کے افسانہ ''مئے تلخی ایام'' میں ایک گھریلو ملازمہ اور امیر بوڑھے شوہر کی نوجوان بیوی پر پڑنے والے جنگ کے اثرات کو پیش کیا ہے۔ یہ عمل جنگ کے بارے میں دونوں طبقات کی نفسیات کو بیان کرتا ہے گھریلو ملازمہ بی بی جان کا شوہر رشید خان جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہو جاتا ہے۔اسے ستارہ جرات سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ تاکہ متاثرہ خاندان کی مدد ہو سکے اور لوگ وطن کی خاطر قربانیاں دیتے رہیں بیگم صاحبہ اپنی فیشن ایبل سہیلیوں کے ہمراہ جنگ اور متاثرین کی امداد کے لیے فنڈ اکٹھا کرتی ہیں۔ جنگ ستمبر کا جذبہ معاشرے کے ہر فرد اور طبقے میں ہے کچھ لوگ جانی لحاظ سے اور کچھ مالی لحاظ سے اپنا فرض نبھا رہے ہیں اور ملک کے لیے اپنے مقدور بھر حصہ ڈال رہے ہیں۔افسانہ نگار اس بات پر بھی زور دیتی ہیں کہ جنگوں کے نتائج برآمد نہیں ہوا کرتے۔ بلکہ آخری فیصلے کے لیے مذاکرات ہی کرنا پڑتے ہیں۔ جنگ کا فوری نتیجہ مانگنے والی عوام پر افسانہ نگار نے بین السطور طنز کیا ہے۔ جنگوں سے کبھی مسائل حل نہیں ہوئے۔ مسائل کا حل اچھی حکمت عملی اور مذاکرات میں ہے۔

جنگ ستمبر 1965 کے حوالے سے خدیجہ مستور کے تین افسانے ''ٹھنڈا میٹھا پانی''، ''ثریا'' اور ''راستہ'' نمایاں ہیں۔ افسانہ ''ٹھنڈا میٹھا پانی'' میں افسانے کی مرکزی کردار جنگ ستمبر کا احوال بتاتی ہے کہ اسی رات بھارت نے اچانک پاکستان پر حملہ کر دیا۔اس بمباری میں مشکل سے اس کی اور اس کے خاندان کی جان بچی۔ وہ عورت جنگ میں بمباری اور تباہی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ خدیجہ مستور نے اس افسانے

میں جنگ کے نفسیاتی اثرات کو پیش کیا ہے کہ جنگ ستمبر کے انسانی المیے نے انسانی نفسیات پر بھی منفی اثرات مرتب کیے۔افسانہ نگار اس جنگ سے نفرت کا اظہار کرتی ہے۔ لیکن وہ مسلط کی گئی یا اپنی دھرتی کی عزت و ناموس کی پاسداری کے لیے لڑی جانے والی جنگ کی حمایت کرتی ہے۔افسانے کا مرکزی کردار ایک عورت کا ہے جو جنگ کی وجہ سے خوفزدہ ہے۔ جہاں وہ جنگ سے خوف وہراس کا شکار ہے وہیں وہ اچھے وقت کے لیے پرامید بھی ہے۔وہ ایک بوڑھے شخص کا ذکر کرتی ہے جو بم گرنے والی جگہ پر کنواں بنانے کا ارادہ رکھتا ہے:

بم گرنے کی جگہ پر ایک چھوٹا سا کنواں بن گیا تھا اور اس کنویں کے قریب ایک بوڑھا شخص سفید چادر بچھائے ہوئے بیٹھا تھا۔ چادر پر بے شمار سکے پڑے ہوئے تھے مجھے دیکھتے ہی بوڑھے نے آواز لگائی چندہ بیگم صاحبہ اس جگہ کنواں کھدے گا اور یہاں سے ٹھنڈا میٹھا پانی نکلے گا۔(5)

افسانے کے آخر میں افسانہ نگار نے بم کی جگہ ٹھنڈے میٹھے پانی کے کنواں کا ذکر علامتی طور پر کیا ہے کنواں ٹھنڈا میٹھا پانی دے گا یعنی امن اور خوشحالی آئے گی اور جنگ کی تباہ کاری سے نجات ملے گی۔

افسانہ ''ثریا'' میں بھی جنگ ستمبر کے تناظر میں اور عمومی تاثر کے طور پر بھی جنگ کے المیے، نقصانات اور اس سے بیزاری کا عنصر ملتا ہے۔ ثریا گیارہ بارہ برس کی گھریلو ملازمہ ہے۔اس کا خاندان سرحدی علاقے میں مقیم تھا زندگی کے معمولات بہت خوشگوار انداز میں جاری تھے کہ بد قسمتی سے جنگ ستمبر کا آغاز ہو گیا۔ جنگ کی وجہ سے ان لوگوں کو ہجرت کر کے لاہور آنا پڑتا ہے ایک عزت دار اور وضع دار، خاندان کی خواتین کو اب دوسرے لوگوں کے گھروں میں کام کرنا پڑتا ہے۔ ثریا ایک خوددار لڑکی ہے۔ وہ فاقے کر لیتی ہے مگر کسی سے مانگ کر نہیں کھاتی ثریا کی دادی اپنے حالات کے بارے میں بتاتی ہے:

جب برا وقت پڑا ہے تو چار چار فاقے کاٹے ہیں پر ثریا کی یہی ضد ہوتی ہے کہ کسی سے کچھ نہ مانگو چاہے مر جاؤ۔ بی بی جی ہم لوگوں نے کبھی یہ مہتروں والا کام نہیں کیا تھا۔ ہمارے گاؤں میں اللہ کا دیا سب کچھ تھا۔اپنی بھینس تھی اپنا گھر تھا اپنی تھوڑی سی زمین بھی تھی جس پر ثریا کا ابا لہسن، پیاز اور سبزیاں بوتا۔ پھر انہیں شہر بیچ آتا۔ پیسے کی کمی نہ تھی۔(6)

ایسے بہت سے خاندان جو جنگ سے قبل بہت پر سکون زندگی گزار رہے تھے انہیں اپنے گھروں کو چھوڑنا پڑا۔ جنگ ستمبر نے سماجی اثرات مرتب کیے اس کی وجہ سے لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں اپنے گھر میں رانیوں کی طرح رہنے والی ثریا جیسی لڑکیوں کو لوگوں کے گھروں میں ملازمت کرنا پڑی۔ جنگ کے المیے نے اچھے خاصے وضع داروں کو سماجی اور معاشی مشکلات کے رحم کو کرم پر چھوڑ دیا۔

افسانہ ''راستہ'' میں جنگ کے بھیانک اثرات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ سرحد پار بسنے والے دانشوروں کے انسانی جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔افسانے کا مرکزی کردار ایک سوچ میں مستغرق ہے وہ جنگ اور امن کے مسائل کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ جنگ کی خبروں کے بارے میں سن کر اس کے دل میں جذبہ بیدار ہوتا ہے کہ وہ فوج میں بھرتی ہو جائے اور دشمن کو سبق سکھا دے لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی سوچتا ہے کہ جنگ کا کوئی فائدہ نہیں۔ دونوں ممالک میں انسان بستے ہیں جب جنگ ہو گی تو انسان مارے جائیں گے۔ انہی کا نقصان ہو گا حسن، گیت اور ثقافتیں ماری جائیں گی۔اس بنا پر جنگ سے کنارہ کش رہنا مستحسن عمل ہو گا۔ لیکن افسانے کا مرکزی کردار اس بات پر بھی اٹل سوچ کا

حامل ہے کہ اگر ان پر جنگ مسلط کی گئی تو پھر دلیری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا جائے گا۔ افسانے میں امن کی خواہش کا اظہار ملتا ہے کیونکہ جنگوں سے انسانی جانیں تلف ہونے کا احتمال ہوتا ہے ایسی صورت حال میں امن کے راستے کا انتخاب بہتر عمل ٹھہرتا ہے۔

عفرا بخاری کے افسانہ ''کروٹ'' میں ایک نوجوان کی سوچ میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ افسانے کا ایک کردار ایک ایسا نوجوان ہے۔ جو اسلحہ کے استعمال اور جنگ کی تکنیکوں سے یکسر نابلد ہے وہ جنگ کے قریبی علاقے سے گزرتا ہے اس کے علم میں نہیں کہ جنگ شروع ہو چکی ہے راستے سے گزرتے ہوئے فوج کے سپاہی اسے اشارہ کرتے ہیں کہ وہ مورچے میں آجائے جیسے تیسے وہ مورچے میں پہنچتا ہے وہ اس بات کا مشاہدہ کرتا ہے کہ فوجی جوان مہارت سے اسلحے کا استعمال کر رہے ہیں۔ وہ دشمنوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور انہیں اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں۔ نوجوان فوجیوں کے اس جذبے سے بہت متاثر ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ میں شرم محسوس کرتا ہے کہ ایک وہ ہے جو نام کا جوان ہے اپنی جان بچانے کی فکر میں ہے اسلحہ چلانے سے واقف نہیں جب وہ بحفاظت گھر پہنچتا ہے تو اس کی سوچ ایک کروٹ لے چکی ہوتی ہے۔ اس سوچ کے تحت وہی جوان قابل ستائش ہیں جو وطن کی خاطر جان دیتے ہیں۔ عفرا بخاری نے جنگ ستمبر کے سانحہ کے تحت لوگوں میں نفسیاتی طور پر وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں کو موضوع بحث بنایا ہے۔ جنگ ستمبر نے عوام میں حب الوطنی کے جذبے کو مضبوط بنانے میں مدد دی۔

جنگ ستمبر 1965ء کے عصری سیاسی سانحہ کے تناظر میں لکھے گئے افسانوں میں افسانہ نگاروں نے خطہ برصغیر میں جنگ کے ضرر رساں اثرات کو بیان کیا ہے یہ جنگ انسانی جانوں، قیمتی املاک اور گولہ بارود پر اٹھنے والے بے تحاشا خرچ کا باعث بنی۔ اس تیسری دنیا کے خطے کے عوام اس امر کے قطعاً روادار نہیں کہ ان کے محدود وسائل جنگوں کی آگ میں جھونک دیئے جائیں۔ افسانہ نگاروں نے ان انسانی المیوں کا ذکر کیا ہے جب جنگ کی وجہ سے لوگوں کو اپنے ہنستے بستے گھر چھوڑنا پڑے انہیں نقل مکانی کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ ایسے لوگوں پر جنگ کے بھیانک اثرات مرتب ہوئے وہ شدید سماجی، معاشی اور نفسیاتی مسائل کا شکار ہو گئے۔ افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں جنگ ستمبر کے سانحہ کے نتیجے میں ملکی سطح پر توانا ہونے والے جذبہ حب الوطنی کو بھی اجاگر کیا ہے پاکستانی عوام جنگ کی ہولناکیوں کی وجہ سے اس کے خلاف تو ضرور تھے لیکن جنگ مسلط کیے جانے پر دشمن کو کڑا اور دندان شکن جواب دینے کے لیے پر عزم تھے۔

References

1- Ghulam-ul-Thaqaleen Naqvi, Naghma wa Aag (Lahore: Maktaba Alia, S. n), p. 6
2- Sadiq Hussain, "Insaan", Naqosh, Issue 105 (Lahore: Farogh Urdu Institute, 1966): p. 1059
3- Farkhanda Lodhi, Kaliat Farkhanda Lodhi (Lahore: Kitab Sarai, 2013), p. 61
4- Intizar Hussain, The Last Man (Lahore: Bibliography, 1997), p. 140
5- Khadija Mastoor, Thanda Mitha Pani (Lahore: Publications, 1981), p. 137
6- Ibid., p. 76. 77